خطبۂ نمازِ جمعہ

خطبۂ اول

بندگانِ خدا! آپ سب کو اور اپنے نفس کو تقو یٰ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں، تقویٰ الٰہی کی نصیحت کرتا ہوں، تقویٰ الٰہی کی جانب دعوت دیتا ہوں اور تاکید کرتا ہوں کہ اپنی زندگی تقویٰ کے مطابق بسر کریں، تقویٰ کے زیر ِ سایہ اور تقویٰ کے نظام پر زندگی قائم کریں۔

# تقویٰ کی معاشرتی شکل

## تقویٰ ہیڈنگ ۲

حق تعالیٰ نے انسانی حیات کے تحفظ کے لیے حفاظتی تدبیر مقرر فرمائی ہے اور اسے تقویٰ قرار دیا ہے۔ حیات انسانی ہر پہلو سے معرض خطر اور معرض آفات میں ہے۔ اپنی زندگی کو ان خطرات اور آفات سے بچانے کے لیے انسان اپنے تئیں کوشش کرتا ہے لیکن ناکام ہو جاتا ہے۔ انسان اپنی زندگی کو تحفظ دینے کے لیے جو تدبیر کرتا ہے وہ خود ایک خطرے میں تبدیل ہو جاتی ہے۔اللہ نے انسانی زندگی کو تحفظ دینے کے لیے تدبیر بنائی ہے جس کا عنوان تقوی ہے۔ جیساکہ ابھی تک انسانی حیات ایک وباء کی وجہ سے خطر میں ہے اور اس خطر کے لیے حفاظتی تدبیر بنائی گئی ہے، وہ حفاظتی تدبیر انسان کو بچا سکتی ہے۔

اگر ہمیں ڈاکٹر صاحبان بتائیں کہ آپ کی زندگی کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ آپ اس طرح کا طرز زندگی اپنائیں تو وہی تقویٰ بن جاتا ہے۔ اسی طرح اگر سماجی طور پر ہمیں بتایا جائے کہ آپ اپنی زندگی کے لیے کیا تدابیر اختیار کریں تو وہ بھی تقویٰ کا حصہ بن جاتا ہے اور تقویٰ ہی کہلاتا ہے۔ انسان حفاظتی تدابیر ترک کر کے سوائے حماقت کے کچھ بھی ثابت نہیں کرتا۔ ایسا انسان صرف یہ ثابت کر رہا ہوتا ہے کہ وہ احمق اور بے وقوف آدمی ہے اور اسے حفاظتی تدابیر کی پرواہ نہیں ہے۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ جو لوگ تقویٰ کی مراعات نہیں کرتے، تقویٰ کی پابندی نہیں کرتے اور تقویٰ اختیار نہیں کرتے وہ سفھاء میں سے ہیں، احمق، بے خرد، نادا ن، احمق اور بے عقل ہیں۔ جو زندگی میں تقویٰ کو ملحوظ خاطر نہیں رکھتے ان کا شر دشمنوں سے زیاد ہ ہے۔

# پیروانِ سبیلِ طاغوت

سورۂ مبارکہ انعام میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کی بنیاد ذکر فرمائی ہے:

وَأَنَّ ہَٰذَا صِرَاطِی مُسْتَقِیمًا فَاتَّبِعُوہُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَن سَبِیلِہِ ذَٰلِکُمْ وَصَّاکُم بِہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُونَ

(الانعام:۱۵۳)

هذا هو الذي رواه صاحب الكشاف ، وأنا أقول : آل محمد هم الذين يؤل أمرهم إليه ، وكل من كان أول أمرهم إليه كانت أشد وأكمل كانوا هم الآل ، و لا شك أن فاطمة وعليا والحسن والحسين كان التعلق بينهم وبين رسول الله 9 أشد التعلقات ، وهذا كالمعلوم المتواتر ، فوجب أن يكونوا هم الآل ، وأيضا اختلف الناس في الآل فقيل : هم الاقارب ، وقيل : هم امته ، فإن حملناه على القرابة فهم الآل. وإن حملناه على الامة الذين قبلوا دعوته فهم أيضا آل ، فثبت أن على جميع التقديرات هم آل ، وما غيرهم هل يدخلون تحت لفظ الآل فمختلف فيه ، فثبت على جميع التقديرات أنهم آل محمد

اللہ کا سیدھا راستہ صراط مستقیم ہے اس کی اتباع کرو اور اس کو چھوڑ کر مختلف سُبل پر مت جاؤ کہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نُوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ‌وَر پیدا

وہ سُبل جن سے روکا گیا ہے اور عمومی طور پر نہی کی گئی ہے قرآن کریم میں ان سُبل کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔ان سُبل میں قرآن کریم نے سبیلِ طاغوت کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جن کی ساری توانائیاں، جن کا جنگ و جدل اور ان کی ساری کوششیں طاغوت کی راہ میں صرف ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ مجاہدینِ فی سبیل اللہ ہیں ان کی ساری کوششیں اللہ کی راہ میںصرف ہوتی ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن کی ساری توانائیں طاغوت کی راہ میں صرف ہوتی ہیں۔ اگر کسی نے کوئی علمی مہارت حاصل کر لی ہو تو وہ طاغوت کی خدمت میں چلا جاتا ہے، اگر اس نے کوئی ذہنی توانائی حاصل کی ہے تو طاغوت کو فائدہ پہنچا رہا ہے، اگر اس کے اندر کوئی جسمانی توانائی آئی ہے تو وہ طاغوت کی خدمت میں ہے اور اگر کسی اور پہلو سے اس کے اندر اللہ نے کوئی صلاحیت رکھی ہے تو اللہ کی یہ صلاحیت لے کر طاغوت کی خدمت انجام دے رہا ہوتا ہے۔ یہ ایک طبقہ ہے جو سبیلِ طاغو ت پر ہے۔

حُسنِ یُوسُف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند، تو تنہا داری

سبیلِ مجرمین

ایک اور ممنوعہ راستہ جس کے بارے میں قرآن نے فرمایا ہے کہ اس کی پیروی مت کرو وہ مجرمین کا راستہ ہے۔ معاشرے کے اندر جرائم پیشہ لوگ موجود ہوتے ہیں اور چہ بسا وہ ایسے حالات پیدا کر دیتے ہیں کہ مومنین بھی اپنی مصلحت مجرمین کی ہمراہی اور مجرمین کی معاونت سمجھتے ہیں اور بعض اوقات چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے مجرمین کے ساتھ اور معاون بن جاتے ہیں۔اس سے بھی روکا گیا ہے کہ مجرمین کے سبیل کی پیروی مت کرو۔

سبیلِ مفسدین

تیسرا راستہ جس سے روکا گیا تھا اور بیان ہوا ہے وہ مفسدین کا راستہ ہے۔ جس طرح کچھ لوگ فساد میں مبتلا ہوتے ہیں، زمین پر فساد پھیلاتے بھی ہیں اور جب وہ زمین پر کوئی فساد کو مرکز قائم کرتے ہیں مثلاً میڈیا پر، سوشل میڈیا پر یا محلے میں کوئی فاسد کی چیز پیش کرتے ہیں اور ایک سبیل کھولتے ہیں تو مومنین بھی دوسروں کی دیکھا دیکھی بلا دریغ مفسدین کے بتائے ہوئے اس راستے پر چل پڑتے ہیں۔ مفسدین جب اخلاقی فساد، سماجی فساد، معاشرتی فساد، معیشتی فساد اور ہر طرح کے فساد کا در کھولتے ہیں تو مومنین کو بھی شوق چڑھتا ہے کہ ہم بھی اس راہ سے فائدہ اٹھا لیں۔

سبیل الغَیّ

قرآن کریم نے ممنوعہ راستوں میں ایک راستہ سبیل الغیّ ذکر کیا ہے۔ سورۂ انعام میںاللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

گمراہی کے ان راستوں پر مت چلو جو صراط مستقیم کے مقابلے میں ہیں اور صراط مستقیم سے ہٹ کر ہیں یا صراط مستقیم کے موازی یا متوازی بنے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک راستہ جو اکثریت کا اختیار کردہ راستہ ہے اور اکثریت اس ممنوعہ راستے پر مبتلا ہے اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف کی آیہ ۱۴۶ میں کیا ہے۔

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ

(الاعراف: ۱۴۶)

اس آیہ شریفہ میں ہے کہ انسان کی تباہی کے راستوں، اور ممنوعہ راستوں میں سے و صراطِ مستقیم کے مقابلے میں ایک سبیل الغیّ ہے۔ یہ وہ گمراہ کن اور ممنوعہ راستہ ہے جس پر لوگ اکثر چل پڑتے ہیں چونکہ غیّ ہے اس لیے اس سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اس سے بچنے کے لیے بہت بڑی سطح کی صلاحیت کی ضرورت ہے کہ انسان اس راہ سے بچ سکے۔

کچھ راستے ایسے ہیں جیسے مجرمین کا راستہ، مفسدین کا راستہ ہے اور طاغوت کا راستہ ہے جو واضح اور کھلے راستے ہیں۔ ان کے اوپر باقاعدہ مجرموں کے، جرائم کے اور فساد کے سائن بورڈ لگے ہوئے ہیں کہ اس راہ پر فساد ہے، اس راہ پرجرم ہے اور یہ طاغوت کا راستہ ہے۔ طاغوت کے راستے پر عالمگیر سطح کا بورڈ لگا ہوا ہے کہ یہ طاغوت کا راستہ ہے۔ انسان ان راستوں پر چلنے کے لیے توجیہکرتا ہے۔

توجیہ عربی لفظ ہے اور اردو و فارسی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ توجیہ کا مطلب اپنی بات کو اپنی جہت سے ہٹا کر کسی اور جہت میں لگا دینا ہے۔ جیساکہ پاکستانی شہری، پاکستان کے اندر بھی اور پاکستان سے باہر بھی آم کے موسم میں ایک دوسرے کے لیے آم کا پھل ہدیہ بھیجتے ہیں۔ فرض کریں کسی نے آپ کے لیے آم بھیجا اور جو شخص لے کر آیا اس نے بہتر یہ سمجھا اور مصلحت اس میں جانی کہ آپ تو آم کھاتے رہتے ہیں، اگر آپ کو نہ بھی ملا تو کوئی ہرج نہیں ہے مگر وہ اپنی کسی دوست کو دے دیتا ہے۔ اس نے ہدیہ پہنچا دیا ہے لیکن اس کی جہت بدل دی ہے۔ ہدیہ دینے والے نے جس جہت میں ہدیہ روانہ کیا تھا لانے والے شخص نے اس جہت سے ہٹا کر کسی اور گلی یا کسی اور گھر میں سپرد کر کے آجائے تو اس طرح جہت بدل دینا توجیہ ہے۔

طاغوت کے ساتھ رہنے کے لیے لوگ مختلف توجیہیں کرتے ہیں اور مختلف راستے نکالتے ہیں۔ یہ لوگ جانتے ہیں کہ یہ طاغوت کا راستہ ہے لیکن طاغوت کے ساتھ رہنے کے لیے اضطرار کو دلیل بنا لیں گے، مجبوری کو دلیل بنا لیں گے یا کسی اور بڑے کی طاغوت پرستی کو دلیل بنا لیں گے کہ تاریخ بھر میں کتنی بڑی بڑی مقدس شخصیات طاغوت پرستی کرتی رہی ہیں تو ہم کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ طاغوت پرستی کو گویا عین عبادت قرار دے کر پھر جائز قرار دیتے ہیں۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ طاغوت کا راستہ نہیں ہے، گمراہ اور منحرف راستہ نہیں ہے بلکہ اس گمراہی کا اعتراف کر کے اور قائل ہو کر پھر اس پر چلنے کے لیے جواز نکالتے ہیں۔

صراط کے مقابلےمیں ایک راستہ ایسا ہے جو ممنوعہ اور خطرناک ہے اور تمام برائیوں کی اساس ہے۔ اس راستے کو سمجھنا کہ یہ سبیل گمراہی کا ہے یہی بہت دشوار ہے اور وہ سبیل الغیّ ہے۔ علمائے لغت میں بحث ہے کہ غیّ کس مادہ سے ہے اور کن حروف سے نکلا ہے۔ اس لفظ کے متعدد مشتقات استعمال ہوئے ہیں جیسے غاوون، غاویہ، غیّ اور اس سے ملتے جلتے یا انہی حروف سے بنے بہت سارے مزید الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ غیّ ایک غلط، منحرف اور گمراہ راستہ ہےاور اکثریت اس سبیلِ غیّ میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

# نرگسیت کا نتیجہ

سورۂ اعراف میں اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے:

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

وہ لوگ جو زمین پر تکبر کرتے ہیں، غرور میں مبتلاہیں، جن کے اندر خود خواہی، خود پرستی اور خود بینی ہے اور جن کے اندر اپنی ایک شیخی پائی جاتی ہے یہ لوگ بہت بڑے نقصان اور خسارے میں مبتلا ہیں۔ ساری دنیا کے متکبرین خواہ وہ مسلمان ہوں، غیر مسلمان ہوں، پاکستانی ہوں، ہندوستانی ہوں، افغانی ہوں، ایرانی ہوں، عربی ہوں، غربی ہوں جو بھی ہوں یہ متکبر دائماً بہت بڑے نقصان اور خسارے میں مبتلا ہوتے ہیں۔ متکبر کو خسارہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم اپنی ہدایات، اپنی نشانیوں اور اپنی آیا ت کا رُخ متکبر سے موڑ لیتے ہیں۔

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ

ہم اپنی آیا ت، اپنی ہدایت، اپنی نشانی اور اپنی راہ سے رخ موڑ دیں گے۔

الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

اس کا جو زمین پر تکبر رکھتے ہیں اور تکبر برتتے ہیں۔ متکبرین لوگ کبھی بھی ہماری آیات تک نہیں پہنچ سکتے۔

متکبر کی مختلف شکلیں ہیں، عام طور پرشاعری میں یا ادیبوں کے قلم سے تکبر کے لیے ایک اصطلاح استعمال ہوتی جو آپ نے پڑھی ہو گی۔ ویسے تو پاکستانیوں کو موبائل کے ہوتے ہوئے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اگر آپ نےکتابیں پڑھنا شروع کر دیں تو موبائل کب استعمال کریں گے! موبائل میں یہ اصطلاح استعمال نہیں ہوتی، موبائل کی اپنی ایک رف زبان ہے جبکہ کتابوں کی اپنی علیحدہ ادیبانہ زبان ہوتی ہے۔ ادیب ایک اصطلاح ’نرگسیت‘ استعمال کرتے ہیں۔ نرگس خواتین کا نام ہوتا ہے۔ نرگس کو عربی میں نرجس کہتے ہیں۔ عربی میںچونکہ ’گ‘ نہیں ہے اس لیے گ کو ’ج‘ میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ عرب نرگس کو نرجس کہہ دیتے ہیں۔ نرگس اور نرجس ایک ہی لفظ ہیں صرف ان کے عربی اور غیر عربی تلفظ کا فرق ہے۔ نرگس ایک پھول ہے جو پانی میں ہوتا ہےاور عموماً تالابوں پر اگتا ہے۔ اس کے بارے میں ہے کہ اس کے پتے کے اندر ایک آنکھ نما چیز بنی ہوئی ہوتی ہے۔ اس کے پھول کا نقش ایسا ہوتا ہے کہ گویا لگتا ہے اس کے اندر ایک آنکھ ہے، یہ پھول ہوتا بھی پانی میں ہیں تو گویا آنکھیں کھولے ہوئے دن رات کچھ دیکھ رہا ہے۔ اسی وجہ سے شاعر اس کو انتظار یا منتظر کے معنیٰ میں پیش کرتے ہیں جیسے علامہ اقبال نے لکھا ہے کہ

انہوں نے البتہ اس کو دوسرے مفہوم میں لیا ہے۔ یہ نہیں کہا کہ نر گس کسی کو دیکھنے کے لیے منتظر ہے بلکہ نرگس کسی دیدہ ور کی انتظار میں ہے۔ گل نرگس عموماً تالابوں اور جھیلوں میں ہوتا ہے تو کم تر لوگ اس کو دیکھنے جاتے ہیں اس لیے وہ منتظر رہتا ہے کہ کوئی دیدہ ور اس کی نرگسیت کو دیکھنے جائے۔

اس پھول کے بارے میں ایک فرضی کہانی ہے کہ یہ پھول کیسے پیدا ہو جیسے کنول تالابوں جھیلوں اور ندی نالوں میں پایا جانے والا سدا بہار پودا اور اس کا پھول ہے،کنول کے پھول کے بارے میں بھی ایک کہانی ہے کہ وہ کیسے پیدا ہوا۔ قدیم کتابوں کے اندر سبق آموز واقعات جانوروں کی زبان میںا ور طبیعی واقعات کی زبا ن میں پیش کے گئے ہیں۔ قدیم معلمین نے سبق سکھانے کے لیے یہ کہانیاں بنائی ہوئی تھیں۔ نرگس کو یونانی زبان میں نارسیسس (Narcissus) کہتے ہیں۔ نارسیسس پھول نہیں تھا بلکہ یونان کا ایک قدیمی شہزادہ تھا۔ شہزادوں کے اندر عموماً خود پسندی اور خود خواہ ہوتی ہے۔ یہ شہزادہ ایک دن جھیل کے کنارے گیا تو تالاب میںا س کو اپنا سایہ نظر آیا۔ اس وقت آئینہ نہیں تھا اس نے پہلی دفعہ پانی میں اپنی تصویر دیکھی۔اس کو اپنی تصویر اتنی پسند آئی کہ اپنے حسن اور جمال پر فریفتہ ہو گیا اور اپناعاشق ہو گیا۔ اس کے بعد یہ ہمیشہ تالاب پر ہی بیٹھا رہتا تھا اور اپنی تصویر دکھتا رہتا تھا۔ وہ اپنی تصویر دیکھ کر خوش ہوتا تھا اور اس کو سوائے اپنی تصویر کے دنیا کی کوئی اور چیز پسند نہیں تھی۔ جب سے اس نے تالاب میں اپنی تصویر دیکھی پھر باہر کی دنیا کی چیزیں اس نے دیکھنا چھوڑ دیں۔ ایک دن اسی طرح تالاب میں بیٹھے بیٹھے اس کا پاؤں کھسکا تو یہ تالاب میں گر گیا اور وہیں ڈوب کر مر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد اسی تالاب سے ایک پھول اُگ گیا، اس کا نام نارسیسس پڑ گیا جس کا ترجمہ فارسی میں کریں تو نرگس بنتا ہے اور عربی میں کریں تو نرجس بنتا ہے۔ یہ نارسیسس شہزادہ ڈوبا تو اس کی جگہ تالاب میں پھول اُگ گیا۔ اس پھول کے اندر آنکھ اس لیے ہے کہ یہ بھی تالاب میں اپنی شکل ہی دیکھتا رہتا ہے۔ یہ اپنا عاشق، خود پرست اور خود خواہ ہے۔ عُجب اور خود خواہی کے لیے یہ اصطلاح بنی ہے۔

دین کی اصطلاح میں اس کو عُجب کہا جا تا ہے۔ بہت سارے لوگ خود پسندی کا شکار ہوتے ہیں جن کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہمارے علاوہ کوئی چوائس ہی نہیں ہے اور ہم سب سے بہترین ہیں۔آپ کو بعض حکمران اور سیاستدان نرگسیت میں مبتلا نظر آئیں گے۔ انہیں اپنے علاوہ کچھ بھی اچھا نہیں لگتا۔ انہیں نہ اپنی پارٹی کے لوگ اچھے لگتے ہیں، نہ اپوزیشن اچھی لگتی ہے، نہ انہیںملک اچھا لگتا ہے، نہ اپنااچھا لگتا ہے اور نہ کوئی پرایا اچھا لگتا ہے۔ انہیں صرف اپنی ذات پسند ہے، اپنی باتیں پسند ہیں، اپنی حرکتیں پسند ہیں، اپنے اینٹ شینٹ پسند ہیں اور اپنے خیالات پسند ہیں۔ اس حالت کو نرگسیت کہتے ہیں۔ تکبر انسان کے اندر یہ حالت پیدا کر دیتا ہے۔

مرضِ تکبر کی علامات

متکبر اور مغرور شخص خود پسند ہو جاتا ہے اور جب خود پسند ہو جاتا ہے تو اس کی توجہ ہر چیز سے ہٹ جاتی ہے۔ ایسا شخص اپنی ذات کے علاوہ کسی چیز کو پسند نہیں کرتا۔ یہ کسی کی ذات کو پسند نہیں کرتا، کسی کی شخصیت پسند نہیں کرتا اور کسی کی بات پسند نہیں کرتا۔ بہت سارے لوگوں کے لیے دوسروں کی بات سننا دشوار ہوتا ہے۔ ان کی مرضی ہوتی ہے کہ ہم ہی بولتے رہیں۔ حتیٰ اگر یہ پانی پینا چاہیں اور ان کے فقط پانی پینے کے وقفے میں بھی کوئی دوسرا اپنی بات کر لے تو ان کا آدھا پانی گلے میں ہوتا ہے اور آدھا گلاس میںہوتا ہے اور دوبارہ اپنی بات شروع کر دیتے ہیں کسی اور کو بولنے کے لیے اتنا موقع بھی نہ دیں۔ یہ متکبر لوگ ہوتے ہیں جن کے اندر خود نمائی بہت زیادہ ہوتی ہے۔ انہیں نہ کسی کی باتیں پسند ہیں نہ کسی کی ذات اور شخصیت پسند ہے اور سوائے اپنی ذات کے انہیں کائنات میں کچھ بھی پسند نہیں ہے۔ یہ اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

متکبر ین چونکہ اپنی طرف متوجہ ہوتے ہیں اس لیے ان کا رخ ہر چیز سے پھر جاتا ہے۔ اس میںان کا ایک نقصان یہ ہوتا ہے کہ یہ ہدایت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔

سَأَصْرِفُ عَنْ آيَاتِيَ

اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ ہم اپنی آیات، اپنی ہدایت اور اپنی نشانیوں سے ان کا منہ پھیر دیتے ہیں۔

الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ

جو زمین میںنا حق تکبر اختیار کرتے ہیں۔

یہ تکبر میں مبتلا ہوتے ہیںا ور اللہ ان سے اپنی ہدایت اور اپنا دین پھیر لیتا ہے۔ یہ چونکہ کسی اور چیز میں مگن ہوتے ہیں ان کے سامنے ہدایت روزِ روشن اور نصف النھار کے سورج کی طرح بھی چمک رہی ہو ان کی توجہ اس طرف نہیں جاتی۔

وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا

جو آیت ان کے سامنے پیش کرو یہ نہیں مانیں گے۔

ان کے سامنے قرآن پیش کرو، سُنت رسو ل اللہ ﷺ پیش کرو، اہل بیت علیھم السلام کے اقوال پیش کرو، عقلی دلائل پیش کرو، علماء کی حکمتیں پیش کرو، مشاہدے اور تجربے پیش کرو یا مجسم حقیقت ان کے سامنے رکھ دو یہ :

لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا

اس کو قبول نہیں کریں گے۔

وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا

اور ان کےسامنے اگر سبیلِ رُشد رکھیں یہ اسے بھی قبول کرنے کے لیے تیا رنہیں ہیں اور نہیں کریں گے۔

وَإِن يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ

لیکن اگر ان کے سامنے سبیل الغیّ رکھیں یا ان کو وہ نظر آجائے۔

سبیل الغیّ قدم قدم پر ہیں۔ آپ ایک قدم اٹھائیں تو اگلے قدم پر سبیلِ غیّ نظر آ رہا ہوتا ہے۔ ایک چوراہا ایسا ہے جہاں ایک حق کا راستہ ہوتا ہے اور کئی راستے غیّ کے راستے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم کا فرمانا ہے کہ اگر ان کے سامنے سبیلِ غیّ رکھیں تو :

يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا

اسے فوراً راہ، سبیل، نہج اور منہج کے طور پر لے لیں گے۔ یہاں یہ کوئی وقفہ اور دریغ نہیں کریں گے اور کوئی تعامل اور تفکر بھی نہیں کریں گے۔ ایسا کیوں ہے کہ یہ سبیلِ رُشد کو ہمیشہ ٹھکرا دیتے ہیں اور سبیلِ الغیّ کو ہمیشہ اپنا لیے ہیں؟

ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

یہ اس لیے ہے کہ یہ ہماری نشانیوں کی تکذیب کرتے ہیں۔

وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ

اور انہوں نے ہماری آیات سے غفلت برتی ہے۔

انہوں نے غفلت کے نتیجے میں تکذیب کی ہے، تکذیب کے نتیجے میں آیات الٰہی سے محروم ہو گئے ہیں اس لیے سبیلِ غیّ فوراً اپناتے ہیں اور زندگی بھر میں ایک ایک دفعہ بھی سبیلِ رُشد ہر گز نہیں اپنائیں گے۔

سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ :

وَأَنَّ ہَٰذَا صِرَاطِی مُسْتَقِیمًا فَاتَّبِعُوہُ

یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس کی پیروی کرو۔

وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ

اور اس کے علاوہ دیگر راہوں کی پیروی مت کرو کیونکہ اگر ان کی پیروی کرو گے تو :

فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَن سَبِیلِہِ

وہ راستے تمہیں منتشر اور گمراہ کردیں گے۔

مفہومِ غی

صراط کے مقابلے میں سُبل میں سے ایک راستہ جس کی قرآن نے خود نشان دہی کی ہے وہ سبیل الغیّ ہے۔ رُشد اور غیّ دونوں متضاد مطلب ہدایت کی بنیاد اور اصلی کنجی ہیں اگر یہ دو سمجھ میںآ گئیں تو سمجھ لو کہ پورا قرآن اور پورا دین سمجھ میںآگیا ہے۔ یہ بلا مبالغہ ہے کہ اگر یہ دو چابیاں سمجھ میں آگئیں اور یہ دو باتیں ہمارے پلے پڑ گئیں تو ہمارے لیے گویا ہدایت کا اور دین کی فہم کا دروازہ کھل گیا ہے۔ صرف یوں نہیں کہ تعلیم و تعلّم میں، دین شناسی میں اور پڑھائی میں یہ کنجی ہے اور آپ کے کام آئے گی بلکہ عملی زندگی میں بھی جیسے آپ کی خاندانی زندگی میں، ازدواجی زندگی میں، عائلی زندگی میں، کاروباری زندگی میں، سیاسی زندگی میں، معاشی و معشیتی زندگی میں اور سماجی زندگی میں یہ دو باتیں ایک جیسی تاثیر رکھتی ہیں۔ قرآن کریم میں آیۃ الکرسی میں رُشد اور غیّ کا تقابل پیش ہوا ہے اور پھر سورۂ اعراف آیہ ۱۴۶ میں ان کا تقابل ہے۔

آیۃ الکرسی ایک اہل سنت کے ہاں مشہور ہے جو ایک ہی آیت ہے اور ایک شیعہ کے ہاں مشہور ہے جو تین آیات ہیں۔ مجھے بھی معلوم نہیں تھا کسی سُنی اور شیعہ آیۃ الکرسی علیحدہ علیحدہ ہے۔ ایک سفر میں کسی مومن کے گھر میں گئے تو انہوں نے کہا کہ ہمارا بیٹا بہت ذہین ہے، اس نے ریاضی میں نوے نمبر لیے ہیں، انگلش میں پچانوے نمبر لیے ہیں اور باقی سارے مضامین میں ٹاپ کیا ہے لیکن اسلامیات میں فیل ہو گیا ہے۔ میں نے اس بچے سے پوچھا کہ آپ کیوں فیل ہو گئے ہو تو اس نے کہا کہ یہ پہلا سال نہیں میں تین سال سے اسلامیات میں فیل ہو رہا ہوں۔ ہم نے پوچھا کہ اس مضمون میں مشکل کیا ہے تو اس نے کہا اور کوئی مشکل نہیں ہے مجھ سے آیۃ الکرسی یاد نہیں ہوتی۔ میں نے کہا کہ یہ تو کوئی مشکل کام نہیں ہے پھر انہی محترم کو کہا کہ آپ میرے پاس بٹھائیں، آدھے گھنٹے میں یاد کر لے گا۔ وہ آیۃ الکرسی حفظ کرنے کے لیے آ گیا اور آتے ہی کہا کہ سُنی آیۃ الکرسی سکھانی ہے شیعہ نہیں سکھانی۔ میں نے پوچھا کہ شیعہ سُنی کیا ہوتی ہے تو اس نے کہا کہ سُنی آیۃ الکرسی وہ ہے جو پہلی آیت ہےلیکن جو ’’ ہُمْ فِیہَا خٰلِدُونَ ‘‘ تک ہے وہ شیعہ آیۃ الکرسی ہے۔بہر کیف اس نے سیکھ لی ہے ایسا ہوا کہ وہ بچہ جو تین سال میں آیۃ الکرسی کی وجہ سے فیل ہو رہا تھا اس نے آدھ گھنٹے میں مکمل آیۃ الکرسی ازبر کر لیا البتہ بعد میںپاس ہوا یا نہیں ہوا مجھے معلوم نہیں ہے۔

آیۃ الکرسی میں غیّ کا ذکر ہےوہ یہ آیہ کریمہ ہے :

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ

دین میںکوئی جبر نہیں ہے۔

قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

رُشد اور غیّ واضح اور روشن ہو چکے ہیں۔ ان کا تبیین ہو گیا ہے اب جبکہ رُشد اور غیّ دونوں کھل گئے ہیں تو پھر اکراہ اور جبر کی کوئی گنجائش ہیں نہیں ہے۔

فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ وَيُؤْمِن بِاللہ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا وَاللہ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے عروۃ الوثقیٰ تھام لیا جو ٹوٹنے والا نہیں ہے۔

اس شخص نے ایسا سہارا پکڑ لیا ہے کہ ساری کائنات مل کر بھی اس سے یہ سہارا نہیں چھڑوا سکتے۔

رُشد و غیّ کے تبیین کے بعد ہی متصل آیت ہے کہ جس نے طاغوت کا انکار کیا اور اللہ پر ایمان لایا اس نے مضبوط سہارا پکڑا ہے۔ پاکستان میں اللہ پر ایمان لانے کے لیے طاغوت کا انکار گویا ضروری نہیں ہے بلکہ طاغوت کا اقرار ضروری، طاغوت کی بیعت اور پیروی ضروری ہے اور طاغوت پر ایمان ضروری ہے ورنہ اللہ پر ایمان آتا ہی نہیں ہے۔ یہ قرآن کریم کی بعض پاکستانیوں کی تفسیر ہے جنہوں نے اپنی باتوں اور اپنے سوشل میڈیا پیغامات میں کہہ بھی دیا ہے کہ طاغوت پر ایمان لانا مومن کے لیے اور ایمان کے لیے ضروری ہے اور اس ایمان کو انہوں نے تاریخ سے ثابت کیا ہے۔ یہ ایک طرف سے ائمہ کی عصمت کے قائل ہیں اور دوسری طرف سے طاغوتیت کو بھی ائمہ ؊ سے منسوب کرتےہیں کہ یہ بھی ائمہ؊ کی سُنت ہے۔

قرآن اپنی بات واضح کر رہا ہےکہ رُشد بھی واضح ہے اور غیّ بھی واضح ہے، اب اس کے بعد کوئی اکراہ نہیں ہے۔ جو طاغوت کا انکار کرے گا اور اللہ پر ایمان لائے گااس کے ہاتھ میں عروۃ الوثقیٰ ہے۔ اگر طاغوت پر ایمان ہے اور اللہ پر بھی ایمان ہے تو پھر عروۃ الوثقیٰ یعنی مضبوط سہارا آپ کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

قرآن کریم نے رُشد اور غیّ کا تقابل کیا ہے اور متعدد آیات میں رُشد کا ذکر ہے۔ رُشد اور غیّ کو سمجھنا ہدایت کی کنجیوں میں سے ہے۔ اصل بحث یہ ہے کہ تقویٰ کےلیے صراط مستقیم پر قائم رہنا ضروری ہے اور صراطِ مستقیم پر قائم رہنے کے لیے سُبل کو ترک کرنا اور سُبل سے منہ پھیرنا ضروری ہے۔ اگر صراط کے ساتھ ساتھ یا صراط کو چھوڑ کر سُبل کی طرف جائیں گے تو پھر ہدایت حاصل نہیں ہو گی۔ سُبل میں سے ایک سبیل جس کو قرآن نے فرمایا ہے کہ اہلِ ایمان اور بندگانِ خدا کی راہ میں بہت بڑا خطرہ ہے وہ سبیل الغیّ ہے۔سبیل الغیّ درحقیقت سبیلِ رُشد کے مقابلے میں ہے جیسے سورۂ اعراف کی آیہ ۱۴۶ میں ہے کہ کچھ متکبر اور مغرور لو گ ایسے ہیں جو دینِ خد ااور ہدایتِ خدا سے محروم ہیں۔ یہ بھی ذہن میں رہے کہ خدا نے محروم کو ملعون کہا ہے۔

پاکستانی قوم کی زبان میں لعنت گالی کو کہتےہیںلیکن قرآن کی زبان میںلعنت محرومیت کا نام ہے۔ جو بھی ہدایت سے محروم ہے وہ ملعون ہے۔ قوم کی مرضی ہے وہ جس کو بھی ملعون کہیں لیکن اللہ نے ملعون ان کو کہا ہے جو اللہ کی رحمت سے محروم ہیں، اللہ کی نعمتوں سے محروم ہیں اور جو اللہ کی ہدایت سے محروم ہیں۔

ہم نے غیّ اور رُشد کو دِقت کےساتھ سمجھنا ہے۔ یہ دین فہمی کے لیے آپ کی بنیاد بن جائے گی۔ رُشد و غی کو سمجھنا کسی خاص باب کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ آپ کی تمام دین شناسی کی بنیاد اس مفہوم کو سمجھنا ہے۔ اسی طرح آپ کی عملی زندگی کی بنیاد بھی رُشد اور غی کے سمجھنے پر استوار ہے۔اگر اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے دے اور میں آپ کی خدمت میں ان مطالب کی وضاحت کر سکوں تو اندازہ کریں گے کہ ہم آج کہاں کھڑے ہیں۔ ہم آج سبیلِ رُشد پر کھڑے ہیں یا سبیلِ غی پر بیٹھ کر نیکیاں کر رہے ہیں، دعائیں مانگ رہے ہیں، سبیل الغیّ پر کھڑے ہوکر رسومات انجام دے رہے ہیں اور ایک د وسرے کو متہم کر رہے ہیںجب کہ خود سارے سبیل الغیّ پرکھڑے ہوئے ہیں۔

ترجموں اور تفاسیر میں رُشد کا ایک ہی مطلب دہرایا گیا ہے کہ رُشد کا مطلب ہدایت یا صحیح راستہ ہے اور غی کا مطلب دھوکہ اور گمراہی کا راستہ ہے۔یہ شیعہ اور سُنی میں تفاسیر کا مشترکہ مضمون ہے اور ترجموں میں بھی ظاہر ہے یہی مضمون لیا گیا ہے۔ترجمے یا مستقل طور پر تفاسیر سے ہی لیے گئے ہیں لیکن ان کے مضامین ملتے جلتے ہیں کہ رُشد کا مطلب صحیح راستہ اور غی کا مطلب گمراہی یا دھوکے کا راستہ ہے۔ رُشد کو صحیح راستہ کہہ د ینا اور غی کو گمراہی کا راستہ کہہ دینا بہت مبھم سی بات ہے اس سے نہ رُشد سمجھ میں آتی ہے اور نہ انسان کے ذہن میں غی کا مفہوم انسان کھلتا ہے۔ رُشد اور غی راستے کی صفات نہیں ہیں بلکہ انسان کی صفات ہیں۔

انسان یا رشید ہے یا پھر غوی یا غاوی ہے۔ غاوون اور راشدون انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ رُشد یافتہ رشید ہیں اور دوسرے غاوو ن ہیں۔ غاوون یعنی غوایت و غی میں مبتلا انسان، صفت غی کے حامل انسان۔ رُشد انسان کی شخصیت کی صفت ہے اور ہر انسان ان دو میں سے کسی ایک سے ضرور متصف ہے۔ آپ ایسا کوئی انسان نہیں ڈھونڈ سکتے خواو وہ کسی بھی قوم قبیلے کا ہو یا مکتب کا ہو جس میں نہ صفت رُشد ہو اور نہ صفتِ غی ہو۔انسان یا رشید ہے یا غاوی ہے۔ انسان ان دو حالتوں سے خالی نہیں ہے اور دونوں اکٹھی بھی نہیں ہو سکتیں کیونکہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر ایک شخص رشید ہے اور صاحب رُشد ہے تو اس کے اندر غیّ نہیں ہے، وہ غاوی نہیں ہو سکتا۔ترجموں اور تفاسیر میں رُشد اور غیّ دونوں راستے کی صفات ہیں۔ صحیح راستے کو رُشد ترجمہ کیا گیا ہے اور غلط ، گمراہی یا گمراہ راستے کو غیّ کہا گیا ہے، یا ہدایت کو رُشد کہا گیا ہے ۔ ان الفاظ کا مطلب یہیں ترجموں اور تفاسیر میں خراب ہو گیا، ترجمے اور تفسیر کے لیے بھی رُشد کی ضرورت ہے۔ اگر رُشد نہ ہو تو قرآن کا صحیح ترجمہ بھی نہیںہو سکتا۔

مالِ یتیم کا حکم

یہ صفات بہت ہی عالی صفات ہیں۔ قرآن کریم میں رُشد کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہدایت کی ہے جیسے یتیموں کامال آپ نے نہیں کھانا۔ پاکستان کا بہت ساری مذہبی طبقہ کچھ چیزوں کو اپنے لیے بنیادی حق سمجھتا ہے۔ غیر مذہبی بھی ایسا ہی ہے کیونکہ جب مذہبی یہ کام کرتا ہے تو غیر مذہبی کو بھی جواز فراہم ہو جاتا ہے۔ ان کاموں میں سے ایک کام دوسروں کا مال ناجائز کھانا ہے اور اس میں یتیموں کا مال کھانا ہے۔ قرآن نے اس سے سختی کےساتھ روکا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ

یتیم کے مال کے قریب بھی مت جاؤ۔

یتیم کے مال کو یتیم کے حق میں احسن طریقے سے تصرف کریں جب تک وہ رُشد کو نہیں پہنچ جاتا۔

إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ(الاسراء:۳۴)

جب تک وہ رشید نہیں ہو جاتا ہے اس وقت تک اس کا مال اس کے حوالے نہ کرو۔

یہ بات صرف یتیم کےساتھ مختص نہیں ہے بلکہ باقی طبقات میں بھی جو غیر رشید لو گ ہیں ان کی اپنی چیزیں بھی ان کے سپرد نہ کرو کیونکہ ان میں رُشد نہیں ہے۔ اسی لیے کہا ہے کہ اگر یہ مطلب میں آپ کو سمجھا سکا تو یہ آپ کی زندگی کی بنیاد ہے اور سارا دورومدار اسی پر ہے۔

اگر متولیانِ دین صاحب رُشد ہوتے !

ہمار مملکت اگر صاحبانِ رُشد کے ہاتھ میں ہوتی تو آج اس کی یہ حالت نہ ہوتی، اگر متولیانِ دین صاحب رُشد ہوتے تو آج مذہب اور مذہبیوں کی یہ حالت نہ ہوتی، فرقہ واریت نہ ہوتی، نفرتیں نہ ہوتیں اور جھگڑے بھی نہ ہوتے۔ تاریخ بھر میں جو کچھ ہوا ہے اور ابھی ہو رہا ہے یہ نہیں ہونا تھا اگر دین و مذہب اور قوم صاحبانِ رُشد کے ہاتھ میں آ جائے۔

رشد، شادی کی شرائط میں سے ہے

شادی کے بارے میں ہے کہ شادی اس وقت کریں جب رُشد کی عمر کو پہنچیں نہ کہ جب مونچھیں نکل آئیں۔ بہت ساروں کی مونچھیں نکل آتی ہیں لیکن رشید نہیں ہوتے۔ عورت ہو یا مرد ہو ان کے ماں باپ عموماً سال گنتے ہیں، قد ناپتے ہیں اورجسمانی علامتیں دیکھتے ہیںا ور پھر پریشان بھی ہو جاتے ہیں کہ ان کی عمر گزر رہی ہے ابھی تک شادی نہیں ہوئی، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ اس کے اندر شادی کی بنیادی شرط بھی پیدا ہوئی ہے یا نہیں ہوئی،یہ بنیادی شرط رُشد ہے۔

رُشد و نموّ میں فرق

رُشد کی پرورش کے لیے نہ ہمارے تعلیمی نظام میں اہتمام ہے اور نہ دینی تعلیم میں کوئی اہتمام ہے۔انسان کی شخصیت میں رُشد ایجاد کرنے کے لیے کسی تعلیمی نظام میں اہتمام نہیں ہے۔ رُشد کا لفظ عام طور پر علوم میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ علومِ طبیعی میں اور ادبیات میں رُشد اور نمو کو ملا کر مترادف کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

رُشد بھی عربی لفظ ہے اور نمو بھی عربی لفظ ہے۔ لفظ نمو، نامی سے ہے جیسے ایک پودا بڑھتا رہتا ہے، پرورش پاتا ہےاور اس کے حجم میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے یعنی اس کا تنا بڑھتا ہے،اس کا طول بڑھتا ہے، اس کی موٹائی بڑھتی ہےاور اس پر پتے اور پھول نکلتے ہیں۔ یہ پودے کی نمو ہے لیکن رُشد اور نمو کا ایک معنیٰ نہیں ہے۔ استعمال کرنے والوں نے رُشد اور نمو کو مترادف بنا دیا ہے۔ان میں ترادف نہیں ہے۔ ترادُف کا مطلب یہ ہے کہ دو لفظ ہوں جن کا معنیٰ ایک ہوجیسے انسان اور بشر کا ایک ہی معنیٰ ہے اور ان سے ایک ہی حقیقت مراد ہے۔ رُشد اور نمو مترادفات نہیں ہیں بلکہ دو علیحدہ علیحدہ خصوصیا ت ہیں۔ ہم قرآن کریم میں رُشد کوسمجھ جائیں پھر علوم میں بات خود ہی واضح ہو جائے گی۔

مفہومِ نموّ

رُشد انسان کی صفت ہے۔ علوم میں یہ صفت جسم کی صفت ہے کہ انسان کا جسم رُشد کر رہا ہے۔فارسی و اردو میں یہ لفظ استعمال کرتے ہیں کہ بچہ رُشد کر رہا ہے اور پودا رُشد کر رہا ہے۔ یاد رہے کہ بچہ اور پودا رُشد نہیں کرتے کیونکہ اجسام کبھی بھی رُشد نہیں کرتے بلکہ نفوس رُشد کرتے ہیں۔

اجسام رشیدہ نہیں ہیں اجسام نامیہ ہیں یعنی اجسام رُشد نہیں کرتے بلکہ نمو کرنے والے ہیں۔ ان کے اندر نمو ہوتی ہےجس کا مطلب ہے کہ ان کے جسم کے تین ڈائمنشن طول، عرض اور گہرائی تناسب کے ساتھ برھتے جائیں۔ جسم کے یہ تین بُعد ہیں یا آپ کی زبان میں کہیں تو سارے جسم تھری ڈی (3D)ہیں۔ آپ سب تھری ڈی سے آشنا ہیں لیکن معنیٰ کسی کو پتہ نہیں ہو گا۔ تھری ڈی کے عاشقوں کو بھی معلوم نہیں ہو گا کہ کسی چیز کو تھری ڈی کیوں کہتے ہیں۔ (3D) تھری ڈی کامطلب ہے (Three dimensions) تھری ڈائمنشننزہے۔ پہلے ایک رُخ والی تصویریں بنتی تھیں جن میں صرف سامنے کا رُک نظر آتا تھا باقی دو پہلو نظر نہیں آتے تھے۔ اب تصویریں ایسی بنتی ہیں جس میںا نسان کے یا جسم کے تینوں پہلو دکھائی دتے ہیں۔ ان تصویروں کو تھری ڈائمنشنل کہتے ہیں۔ٹو ڈی بھی ہو تا ہے جس میں دو پہلو نظر آ رہے ہوں اور تیسرا تصویر میں نہ آیا ہو۔ انسان کا جسم کو یا غیر انسان کو جسم ہو، اس کے تین بُعد یعنی لمبائی، چوڑائی اور گہرائی یا اونچائی ہیں۔

پتھر میں نمو نہیں ہے ان کا نہ طول بڑھتا ہے، نہ عرض بڑھتا ہے اور نہ لمبائی چوڑائی بڑھتی ہے۔ اگر ایک سو سال بعد یا ہزار سال بعد بھی دیکھیں تو پتھر ویسا ہی ہو گا۔ کچھ اجسام ایسے ہیں جو بڑھتے ہیں جیسے بچہ پیدا ہوا تو ایک فٹ کا تھا پھر بڑھ کر چھ فُٹ کا ہو جاتا ہے۔ اس کی لمبائی بھی ایک تناسب سے بڑھی، چوڑائی بھی ایک دو فٹ بڑھی ہے یا ممکن ہے بعضوں کی وہ بھی چھ فُٹ ہو گئی ہو کیونکہ بعضوں کی لمبائی چوڑائی برابر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح جب لمبائی چوڑائی بڑھتی ہے تو گہرائی یا اونچائی بھی بڑھتی ہے۔ اجسام اگر ان تین پہلوؤں میں بڑھ رہے ہیں، پنپ رہے ہیںا ور پل رہے ہیں اس کو نمو کہتے ہیں۔ اس کو رُشد نہیں کہتے ہر چند علوم یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ انہیں حق ہے کہ کوئی بھی اصطلاح استعمال کر سکتے ہیں۔

مفہومِ رُشد

رُشد نفوس کی صفت ہےاور غیر جسمانی ارتقاء کی خصوصیت ہے۔ انسان کی روح میں بھی بہت ساری چیزیں ہیں۔ آپ کے نفس میں نفسِ امّارہ ہے، خواہشات ہیں، غضب ہے اور بہت کچھ ہے۔ ہم اس سب کا اپنی زبان سے، آنکھوں سے اور منہ سے جھاگ نکال کر اظہار کرتے ہیں۔ یہ نفس ہی ہے جو جسم کے ذریعے سے اپنے جذبات کا اظہار کر رہا ہے۔ نفس میں احساسات اور جذبات ہیں۔ نفس پیچیدہ ہے جس میںبہت ساری چیزیں ہیں۔ آپ کے جسم سے زیادہ پیچیدہ آپ کی روح اور آپ کا نفس ہے۔

آپ کی روح کا ایک پہلو یہ ہے کہ آپ کا ذہن بھی ہے۔ذہن سے مراد آپ کے سوچنے کی صلاحیت، فہم اور سمجھ ہے۔ آپ کسی چیز کو دیکھتے ہیں تو کسی چیز کو سمجھتے ہیں۔ آپ جب اپنے ارد گرد چیزوں کو یکھتے ہیں تو آنکھوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیںا ور ذہن سے سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ آنکھیں کیمرے ہیں جو تصویریں اتار اتار کر آپ کے ذہن میں بھیج رہے ہیں اور ذہن تشخیص دے رہا ہے کہ فلاں چیز مثلاً ستون ہے، فلاں سٹیج ہے اور دائیں بائیں کیا ہے۔ آپ کے جسم میں اس وقت گرمی کا احساس ہے تو یہ بھی آپ کےجسم کی حس لامسہ ہے جو اس تصویر کو لے کر آپ کے ذہن کو ارسال کر رہی ہے اورذہن یہ تشخیص دیتا ہے کہ یہ گرمی اور حبس ہے۔ یہ صلاحیت آپ کی روح کے اندر ذہن کی قوت کے طور پر ہے۔ ذہن آپ کے نفس کا ایک پہلو ہے اور ایک صلاحیت ہے جس کا کام سمجھنا ہے۔ یہ سمجھنے والی چپ جو آپ کے اندر لگی ہوئی ہے رُشد اس کی صفت ہے۔ رُشد ذہن کی صفت ہے جو معدے یا پٹھوں میں نہیں ہوتی۔ بعض جم میں جا کر خوب اپنے بازو اور مسل بناتے ہیں اور پھر نیم عریان ہو کر ٹی شرٹیں پہن کر باہر گھومتے ہیں۔ مردوں کو بازو ننگے ہوں گے اور عورتوں کی کوشش ہوتی ہے کہ اپنی پنڈلیاں زیادہ سے زیادہ ننگی کر کے گھومیں۔ مغربی عورتیں یہ کام زیادہ کرتی ہیں مشرقی حسرت میں ہیں کہ یہاں کب یہ اجازت ملتی ہے۔یہ تن کی نمائش کرتے ہیں۔اگر کسی نے ورزش کر کے اپنے ڈوہلے اور مسل پھلا لیے ہیںتو یہ رُشد نہیں کی۔ اسی طرح اگر آپ نے اپنی روح کے اندر کوئی اور صفت بڑھا لی ہے تو اس کو بھی رُشد نہیں کہتے۔ رُشد فقط آپ کے ذہن میں ہے۔

ذہانت اور رُشد

بعض لوگ ذہین ہوتے ہیں یہ ذہین ہونا بھی رُشد نہیں ہے۔ رُشد ذہن کے لیے ہے اور ذہن میں ہی پیدا ہوتی ہے لیکن ذہانت علیحدہ ہے اور رُشد علیحدہ ہے۔ ذہانت ہر اس انسان میں ہے جو کسی چیز کو دیکھ کر سمجھ جاتا ہے، کتاب پڑھے تو مطلب سمجھ جاتا ہے، گفتگو سُنے تو مطلب سمجھ جاتا ہے اور جو بات بھی کہی جا رہی ہو اس کے پلے پڑ جاتی ہے اور وہ اس تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کو ذہین انسان کہتے ہیں۔

ذہین کے مقابلے میں غیّ نہیں ہے بلکہ غبی ہے یعنی وہ انسان جس کو بات سمجھ میں نہیں آتی یا آپ اس کو کتاب دیں تو اسے پڑھ کے سمجھ نہیں آتی۔ایسے غبی لوگ ہوتے ہیں جن کے پلے پڑھائی بھی نہیں پڑتی اور باتیں بھی پلے نہیں پڑتیں اور دیکھ سُن کر بھی انہیں کچھ سمجھ نہیںا ٓتا۔ اگر بلی اور بھیڑ دونوں ایک ساتھ کھڑے ہوں تو وہ نہیں سمجھ سکتے کہ یہ جاندار ہیں، بے جان ہیں، بلی کس کو کہتے ہیں، بھیڑ کس کو کہتے ہیں، یہ غبی انسان ہیں۔

ذہانت علمی صلاحیت کا نام ہے کہ اگر کوئی چیز آپ کے عمل میں آ رہی ہے تو آپ ذہین انسان ہیں اور اگر آپ کے علم میں اضافہ نہیں ہو رہا تو آپ ذہین نہیں ہیں بلکہ غبی ہیں۔

علم اور رُشد

رُشد کا تعلق علم سے نہیں ہے یوں نہیں ہے کہ جس کا علم زیادہ ہے اس کی رُشد زیادہ ہے۔ علم کا تعلق ذہانت اور حافظے سے ہے۔ ممکن ہے ایک شخص نے علمی مطالب کے بڑے رٹے لگائے ہوئے ہوں اور وہ علوم کا، قرآن کا اور حدیث کا حافظ بن گیا ہو۔ جیساکہ اس وقت حفظ کرنے میں بھی دوڑ ہے،مومنین بچوں کو آج کل زیادہ حفظ کراتے ہیں۔ حافظ بنا لینے سے رُشد پیدا نہیں ہوتی، پڑھائی سے بھی رُشد نہیں آتی یعنی یہ نہیں ہے کہ جس کے پاس اعلیٰ ڈگری ہے، جو یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی یا اس سے بھی اعلیٰ ڈگریاں حاصل کر چکا ہے تو اس میں رُشد آ گئی ہے۔ اس میں علم آ گیا ہے، معلومات آ گئی ہیں، اس کے اندر ذہانت ہے، اس کے اندر اور بہت اچھی اچھی صفات ہیں لیکن ممکن ہے اس کے اندر رُشد موجود نہ ہو اور یہ پی ایچ ڈی غیّ ہو۔

اجتہاد اور رُشد

بعض قوموں کے اندر یہ ہمت ہے کہ وہ دین علوم کو مدارج عالیہ تک پڑھتے ہیں لیکن پاکستان ہندوستان میں تھک جاتے ہیں کیونکہ چڑھائی ہے اور انہیں دمہ ہےاس لیے ان کی سانس پھول جاتی ہے ۔ بعض دیگر قوموں میں دینی علوم مدارج عالیہ تک پڑھتے ہیں اوراعلیٰ علمی مقامات کشف کرتے ہیں۔

مرجعیت منصب ہے اور اجتہاد ایک علمی درجہ ہے۔ اگر کوئی دینی تعلیم حاصل کرے اور اعلیٰ ترین علمی مرتبے پر فائز ہو جائے جیسے اعلیٰ ترین عملی درجہ اجتہاد ہےایسے شخص کے اندر علم آ گیا ہے اور اجتہاد بھی آ گیا ہے لیکن آیا رُشد بھی پیدا ہوئی ہے یا نہیں ہوئی؟ ممکن ہے اس درجے پر بھی اس کے اندر رُشد پیدا نہ ہوئی ہو۔ ایسا نہیں ہے کہ مجتہد کے اندر رُشد نہیں ہوتی میں صرف یہ سمجھا رہا ہوں کہ اجتہاد، ڈاکٹریٹ، گریجوئیشن اور انجینئرنگ کرنا، ڈاکٹر بننا یہ عملی درجات ضرور ہیں لیکن یہ رُشد نہیں ہے۔ انسان علم میں سفر کرتا ہوا آگے بڑھتا جا رہا ہے اور عالم سے عالم تر ہوتا جا رہا ہے لیکن ممکن ہے وہ رُشد نہ کر رہا ہو، رشید نہ ہو، اس کے اندر ابھی رُشد پیدا نہ ہوئی ہو۔

تفقّہ اور رُشد

رُشد کا تعلق فہم سے ہے۔ پہلے فہم اور فقہ میں فرق ذکر کیا ہوا ہے کہ فقہ فہم ہی کو کہتے ہیں اور تفقہ تفاہم ہی کو کہتے ہیں لیکن معمولی فرق کے ساتھ! فہم کا مطلب ہے کہ جو چیز جیسے ہے اس کے ظاہر کو سمجھ لیا جائے اور فقہ یہ ہے کہ اس ظاہری شئے کی جڑ تک بھی پہنچ گئے۔ اگر آپ نے کسی چیز کو گہرائی تک جا کر سمجھ لیا ہے تو یہ فقہ اور تفقہ کہلاتا ہے۔ فقہ اور فہم دونوں رُشد نہیں ہیں۔ رُشد علیحدہ چیز ہے۔

حقیقتِ رُشد

رُشد یہ ہے کہ انسان کا فہم یا انسان کا ذہن ایسی صلاحیت کا مالک بن جائے، اس کے اندر ایسی پختگی آ جائے، ایسی مہارت آ جائے اور اسی سوجھ پیدا ہو جائے کہ یہ شخص کسی بھی ظاہر کو دیکھ کر مثلاً حالات کو دیکھ کر، اثرات کو دیکھ کر، اطوار کو دیکھ کر، طور طریقے دیکھ کر، عزائم دیکھ کر اور ظاہری شکل و شمائل دیکھ کر اس شئے کی حقیقت تک پہنچ جائے اور نہ صرف حقیقت تک پہنچ جائے بلکہ اس کو حقیقت تک پہنچے والے راستوں کی پہچان بھی ہو جائے۔

ہر حقیقت تک پہنچے کے لیے ایک راستہ اور طریقہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسباب کا نظام بنایا ہے اور ہر چیز کے لیے ایک راستہ اور سبب رکھا ہے۔ ہم عموما ً ہر عمل کے دعویدار ہوتے ہیں۔ کسی سے بھی پوچھیں کہ کوئی ایسا علم ہے جو آپ کو نہ آتا ہو تو شاید ہی کوئی یہ کہے کہ مجھے فلاں علم نہیں آتا یا فلاں مسئلہ نہیں جانتا۔ ہم سب مدعی ہیں کہ علم کے آخری مقام تک پہنچے ہوئے ہیں آپ پوچھ کر تو دیکھیں! اگر نہ بھی آتا ہو تو بھی تاثر یہ دیتے ہیں کہ سب کچھ آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف حقائق تک پہنچنے کے لیے راستے اور اسباب بنائے ہیں اگر انسان کو ان حقائق کی پرکھ ہو جائے اور شناخت ہو جائے اور انسان کے ہاتھ معیار اور کسوٹی آجائے، انسان کے اندر یہ صلاحیت پیدا ہو جائے اور یہ چشمہ اس کے اندر سے پیدا ہو جائے کہ وہ حقیقت تک پہنچانے والے درست راستوں کو تشخیص دے لے تو یہ انسان رشید ہے۔

رُشد کی عملی مثالیں

طبیب کا رُشد

فرض کریں آپ خود یا کوئی مریض لے کر ہسپتال میں جاتے ہیں اور ہسپتال میں ڈاکٹر آپ کو بہت سارے ٹیسٹ لکھ دیتا ہو۔ اگر طبیب یہ مثال دیکھیں تو مائنڈ نہ کریں ہم صرف مطلب وضاحت کر رہے ہیں۔ بہت سارے ڈاکٹر آپ کو ٹیسٹ لکھ دیتے ہیں کہ فلاں فلاں ٹیسٹ کراؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر آپ کی بیماری کو نہیں جانتا۔ اس نے اگر ٹیسٹ لکھےہیں اس کا مطلب ہے کہ آپ کے کہنے یا آپ کو دیکھنے سے اس کو پتہ نہیں چلا کہ آپ کو کیا بیماری ہے۔ بیماری تک پہنچنے کے لیے اس نے ٹیسٹ لکھے ہیں کہ لیبارٹری میں ٹیسٹ کراؤ۔ ٹیسٹ میں اگر کوئی چیز آ جائے تو ڈاکٹر کو پتہ چل جاتا ہے کہ آپ کو فلاں بیماری ہے۔ فارسی کا ایک ضرب المثل ہے :

از کرامات شیخ ما این است، شیره را خورد و گفت شیرین است،

ہمارے پیر صاحب بڑے با کرامت ہیں حلوہ کھا کر سمجھ جاتے ہیںکہ میٹھا ہے۔ حلوہ کھانے کے بعد ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ ان کو پتہ چل جاتا ہے کہ حلوہ میٹھا ہے۔

یہ ڈاکٹر صاحب بھی اتنے ہی با کرامت ہیں کہ ٹیسٹ دیکھ کر بیماری سمجھ جاتے ہیں۔ آپ نے سُنا ہو گا کچھ حاذق طبیب ابھی بھی ہیںا ور پہلے زمانوں میںبھی گزرے ہیں جن کو اتنے جتن کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آنکھوں کا رنگ دیکھتے ہیں، جلد کا رنگ دیکھتے ہیں، نبض دیکھتے ہیں، چند ایک سوالات کرتے ہیںا ور آپ کو بتا دیتے ہیں کہ آپ کویہ بیماری ہے۔آج کل بیماری پکڑتے پکڑتے بھی سال لگ جاتا ہے۔ پہلے ٹیسٹ کرا کے ہیپاٹائٹس ڈھونڈتے ہیں وہ نہیں نکلتا تو ٹائیفائیڈ ڈھونڈتے ہیں وہ نہیں نکلتا تو پھر کچھ اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر آخر میں پتہ چلتا ہے کہ اس کو مثلاً کینسر ہے جب تک وہ علاج والے مرحلے سے گزر کر آخری مراحل میں پہنچ چکا ہوتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس ڈاکٹر نے طبابت پڑھی ہے اور اس کو تجربہ بھی ہے کہ ٹیسٹ کے ذریعے بیماری کو سمجھ جاتا ہےاور علاج بھی ٹھیک کر لیتا ہے۔ عموماً ایسے ہیں ہیں کہ جو انہوں نے پڑھا ہے اس کے مطابق ٹیسٹ کراتے ہیں جس سے بیماری سامنے آ جاتی ہے اور یہ ا س کے مطابق دوا لکھ کر دے دیتے ہیں۔ یہ ڈاکٹر رشید نہیں ہے یعنی اس کے ذہن اور فہم میں وہ پختگی، وہ مہارت، وہ تسلط اور وہ عبور نہیں ہے کہ یہ علامات دیکھ کر بیماری کی حقیقت تک پہنچ جائےاور اس بیماری کے علاج کو بھی سمجھ جائے۔

اگر ڈاکٹر دیکھتے ہیں بیماری کی حقیقت تک پہنچ گیا اور اس کا علاج بھی اسے سمجھ میںآ گیا تو یہ صاحب رُشد ہے۔ یہ صاحبِ علم بھی ہے، صاحبِ تجربہ بھی ہے، اس میں باقی ساری صفات بھی ہیں، مومن اور دیانت دار بھی ہے، خدمت گزار بھی ہے اور ساتھ ساتھ صاحبِ رُشد بھی ہے۔ پس رُشد ایک فہم و فراست، معاملہ فہمی اور حقیقت فہمی کا نام ہے۔ رشید انسان کے اندر اتنی پختگی ہوتی ہے کہ وہ کوئی چیز دیکھ کر ہی اس کی حقیقت سمجھ جاتا ہے۔

کاروبا میں رُشد

کاروباری دنیا میں بہت ساری رسیدیں دیکھ کر سمجھ جاتے ہیں کہ مال اچھا ہے یا برا ہے۔ کچھ لوگ مال کا ٹیسٹ کراتے ہیں کہ یہ مال جو بنا ہے ٹھیک ہے یا نہیں ہے لیکن کچھ ایسے ہیں جو شکل دیکھ کر ہی سمجھ جاتے ہیں کہ یہ دو نمبر مال ہے،چائنا کا ہے یا جینوئن مال ہے۔اسی طرح اگر ایک آدمی کاروبار شروع کرتا ہے اور دوسرے سے پوچھتا ہے کہ بتائیے کہ میں یہ کاروبار شروع کروں یا نہ کروں وہ پھر اس کو سمجھانا بھی شروع کر دیتا ہے کہ بہت اچھا کاروبار ہے وہ انجام تک پہنچے ہیں تم بھی اس کے پیچھے جاؤ۔

ایک شخص مولانا کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے دوسری شادی کرنی ہے تو آپ کیا فرماتے ہیں۔ مولانا نے کہا کہ بہت اچھی چیز ہے، اس کے بڑے فضائل ہیں اور ثواب ہے۔ اس شخص نے استخارہ کرنے کو کہا تو مولانا نے استخارہ کر کے کہا کہ بہت عالی اور واجب آیا ہے، تم پر دوسری شادی کرنا لازمی ہو گیا ہے۔ مولانا کے اکسانے پر اس نے شادی کر لی تو ایک ہفتے بعد دونوں بیویوں نے مل کر آپس میں اتحاد کر کے اس کو گھر سے نکال دیا۔ سردی کا موسم تھا اور اس کے پاس سونے کی جگہ نہیں تھی۔ یہ مسجد میں گیا کہ رات مسجد میں گزار لے تو آگے مولانا بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ اس نے کہا مولانا تم نے مجھے کیا پٹی پڑھائی ہے تم نے تو کہا تھا کہ استخارہ بہت اچھا آگیا ہے اور بڑا ثواب اور اجر ہے۔ مولانا نے پوچھا کہ کیا ہوا ہے تو اس نے بتایا کہ دونوں بیویوں نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے، آپ نے مجھے یہ راہنمائی کیوں کی تھی۔ مولانا نے کہا میں مسجد میں اکیلا ہوتا ہوں تو سوچا دوسرا بھی آ جائے اور میری تنہائی ختم ہو جائے کیونکہ میں بھی اسی مرض کا شکار ہوں۔

یہ کام بعض دفعہ ہوتا ہےکہ ایک آدمی کاروبار کا مشورہ دیتا ہے خودڈوب چکا ہوتا ہے اور دوسرے کو کہتا ہے کہ اس کاروبار میں بہت فائدہ ہے۔کچھ کاروباری ایسے ہوتے ہیں جن کے اندر کاروباری رُشد آ جاتی ہے اور ان کے اندر کاروبار کی حس پیدا ہو جاتی ہے اور سمجھ جاتے ہیں کہ یہ کاروبار چلے گا یا نہیں چلے گا۔ اگر ڈیجیٹل کرنسی بڑھ رہی ہے تو بعض فوراً کرسنی خرید لیتے ہیں، سونے کی قیمت بڑھ رہی ہے تو سونا خرید لیتے ہیںا ور ڈالر کی قیمت بڑھ رہی ہو تو ڈالر خرید لیتے ہیں۔ یہ بھیڑ چال ہے اور ایسے کرنے والے کاروباری بھیڑیں ہیں۔ جب وہ چیز نیچے گرتی ہے تووہ بھی ہارٹ اٹیک سے وہیں پر دارِ فانی سے رُخصت ہو جاتے ہیںاور شہید ڈالر داغِ مفارقت دے جاتا ہے۔ اس کا سب کچھ ڈوب جاتا ہے۔جو کاروباری حس رکھتا ہے وہ کہتا ہے کہ اس جوے میں ہاتھ نہیں ڈالناکیونکہ یہ کاروبار نہیں ہے بلکہ مصنوعی جھاگ ہے جو کسی وقت بھی ختم ہو جائے گی۔ کاروبار کی یہ فہم رُشد کہلاتی ہے۔

رُشد انسان کے اندر ایسی پختہ معاملہ فہمی، حقیقت فہمی، راستہ فہمی اور معیار فہمی پیدا کرتی ہے کہ وہ انسان نگاہ ڈال کر حقیقت کو سمجھ جاتا ہے۔

## سیاست میں رُشد

### سیاست

سیاسی طور پر رُشد یافتہ انسان وہ ہے جو سیاسی حالات دیکھ کر فوراً سمجھ جاتا ہے کہ کیا ہو رہا ہے اور معاملہ کدھر جا را ہے۔ وہ فوراً ایسے معاملات میں کودتا نہیں ہے کیونکہ سیاسی رُشد رکھتا ہے۔ زندگی کے مختلف میدان ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے یہ چیز رکھی ہے کہ وہ فہم اور پختگی پیدا کرے۔

دین شناسی میں رُشد

دین شناسی کے میدان پختگی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمانا ہے کہ اگر آپ میںدینی رُشد آ گئی ہے، دینی فہم پیدا ہو گئی ہے پھر آپ سبیلِ غیّ سے بچ سکتے ہیں۔ اگر رُشد نہیں ہے تو پھر سبیلِ غیّ سے بچنا محال ہے۔

سبیلِ غَیّ سے مراد

سبیلِ غیّ وہ راستہ ہے جسے حق بنا کر، قسمیں کھا کر، حوالے دے کر اور ماحول بنا کر آپ کے سامنے پیش کیا جائے اور وہ آپ کو عینِ حق نظر آنا شروع ہو جائے۔وہ راستے جو دھوکے سے حق بنا کر پیش کیا جائے اور ہماری کمزوری کی وجہ سے ہمیںحق نظر آنا شروع ہو جائے، ہمارے ضعف اور ہماری فراست اور رُشد کی کمی کی وجہ سے ہمیں حق نظر آنا شروع ہو جائے اس کو سبیل الغیّ کہتے ہیں۔

ضعفِ علمی، ضعفِ فکری، ضعفِ فراست اور ضعفِ رُشد کی وجہ سے اور بھیڑ چال، دیکھا دیکھی، تکرار کی وجہ سے، رش کی وجہ سے اور شور کی وجہ سے ہمیں جو راہیںٹھیک لگنا شروع ہووہ سبیل الغیّ ہے۔ انسان اس سے نہیں بچ سکتا جب تک انسان میں رُشد نہ آ جائے۔ دین کی اساس، زندگی کی اساس، معارف قرآن کی اساس اور ہر چیز کی اساس یہی رُشد ہے جو قرآن نے ذکر کی ہے۔

قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

(بقرہ: ۱۵۶)

اکراہ نہیں ہے کیونکہ رُشد اور غیّ روشن اور واضح ہیں۔

اب تم اپنے اندر رُشد پیدا کرو اور رشید بنو۔ رُشد کا سبق پڑھو اور رُشد کی تربیت حاصل کرو۔ علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انبیاء رٹے لگوانے اور حفظ کرانے نہیں آئے بلکہ انبیاء صرف ایک کام کرنے کے لیے آئے ہیں :

ويُثِيرُوا لَهُمْ دَفَائِنَ الْعُقُولِ

(نہج البلاغہ، خطبہ۱)

انبیاء انسان کی فراست بڑھانے اور رُشد اور پختگی پیدا کرنے کے لیے آئے ہیں۔

جب انسان کے اندر پختگی آ جائے وہ خود حق کو سمجھ جاتا ہے کہ حق کیا ہے اور حقیقت کیا ہے۔ اگر کسی انسان کو بھیڑ چال کے تحت سو سال بعد بھی کسی سے پوچھنا پڑتا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے یہ کبھی بھی سبیلِ رُشد تک نہیں پہنچتا بلکہ غیّ کی راہ میں گمراہ ہو جاتا ہے۔شیطان کا بڑا ہتھیار غوایت ہے۔

وَلَأُغوِيَنَّهُم أَجمَعينَ

(الحجر:٣٩)

اے پروردگار! میں اس بنی آدم پر غیّ کا ہتھیار استعمال کروں گا یعنی غلط راستوں کو حق اور صحیح بنا کر اس کےسامنے پیش کروں گا۔ پھر پروردگار نے بھی کہا کہ جاؤ دیکھتے ہیں کہ تیری بات کو ن مانتا ہے اور میری بات کون مانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو تمام مسلمین اور تمام مومنین کو رُشد و ہدایت عطا فرمائے۔ ان شاء اللہ

خطبۂ دوم

بندگانِ خدا! آپ سب کو اور اپنے نفس کو تقو یٰ الٰہی کی وصیت کرتا ہوں، تقویٰ الٰہی کی نصیحت کرتا ہوں، تقویٰ الٰہی کی جانب دعوت دیتا ہوں اور تاکید کرتا ہوں کہ اپنی زندگی تقویٰ کے مطابق بسر کریں، تقویٰ کے زیر ِ سایہ اور تقویٰ کے نظام پر زندگی قائم کریں۔ تقویٰ کے قیام کے لیے اور اُمت با تقویٰ بنانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قیامِ نمازِ جمعہ واقامۂ نمازِ جمعہ کا حکم دیا ہے۔

خصائص یوم الجمعہ

پچیسویں خصوصیت : مخصوص سوروں کی تلاوت